

سیاست عادلہ (اسلامی فکر کا مطالعہ)

مولانا سلطان احمد اصلاحی

روحانیت، اخلاق، معاشرت اور معیشت کی طرح معاصر دنیا کی سیاست بھی بے حال ہے۔ اسلام انسانیت کے اس دکھ کا بھی مداوا پیش کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج کے دور میں فکر و نظر کی ترقی اور عقل اور تجربہ کی پختگی سے سیاست کے میدان میں بھی کافی اصلاح اور بہتری آئی ہے۔ جمہوریت کا ارتقاء، حکمراں اور عوام کے حقوق کا تعین، سیاست میں عوامی احتساب اور جمہوری ملکوں میں اقتدار کی پر امن منتقلی جیسے اصول و ضوابط اور عملی اقدامات آج کی بہتر سیاست کے قابل قدر مظاہر ہیں۔ مسلمان ممالک سمیت دنیا کے جن ملکوں میں اس پہلو سے کیا ہیں، اس ترقی کا فائدہ اٹھا کر ان کو اپنی کمیوں کو دور کرنا چاہیے اور پوری فرانخ دلی کے ساتھ مطلوبہ اصلاحات کو قبول کرنا چاہیے۔ عقل اور تجربے سے ہر میدان کی طرح سیاست کے میدان میں بھی جو ترقی ہو اور اس کی جو جزئیات ترتیب پائیں وہ اگر اسلامی شریعت سے نہ ٹکرائیں تو وہ اسلام کے لیے ناقابل قبول نہ ہوں گی، بلکہ اسی کا ایک حصہ سمجھی جائیں گی اور پوری خوش دلی کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ معاصر دنیائے سیاست کی ان بہت ساری خوبیوں کے اعتراف کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کی کمیوں اور خرابیوں کا پلڑا اس کی اچھائیوں پر بھاری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آخری رہنمائی کے نور سے جب تک یہ منور نہیں ہوتی اپنی کم زوریوں اور خامیوں سے بھی اس کو درست گاری نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔ اسلام اسی آخری خدائی رہنمائی کا دوسرا نام ہے۔ دیکھنا ہے کہ دور حاضر کی سیاست کو سنوارنے اور نکھارنے میں وہ کیا کردار ادا کرتا ہے۔

امیر و مامور کا اعتماد:

موجودہ دور کو اگر عقیدے کا بحران (Crisis of faith) کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ بحران زندگی کے ہر حصے میں ہے۔ لیکن دور حاضر کی سیاست اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہے۔ چنانچہ جمہوریت کی ترقی اور اس کے بہت سارے مثبت پہلوؤں کے باوجود آج حکم ران اور عوام کے درمیان اعتماد اور عقیدت کی غیر معمولی طور پر کمی پائی جاتی ہے۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے کے بجائے انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ محبت اور خلوص کے بجائے ان کے درمیان نفرت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ باہم ہم دردی و ہبی خواہی کے بجائے وہ ایک دوسرے کی بدخواہی میں مصروف اور اس کو نیچا دکھانے اور زک پہنچانے کے درپے نظر آتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ اس صورت حال کے لیے کسی فریق کو ذمہ دار قرار دے دیا جائے اور سارا الزام صرف حکم ران طبقہ کے سر تھوپا جائے۔ اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری یکساں طور پر عوام اور حکم رانوں اور امراء و مامورین دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ حالاں کہ بے اعتمادی اور بدگمانی کا یہ مرض اگر کسی چھوٹے سے گھر اور معمولی ادارے اور تنظیم میں پیدا ہو جائے تو یہ اس کے لیے سم قاتل ہوتا ہے۔ اس سے اس کی ترقی رکتی اور اس کے نظام کی تمام چولیس ابل جاتی ہیں۔ پھر اگر یہ مرض آج کے دور کے حکومت کے طاقت ور ترین، وسیع ترین اور عظیم ترین ادارے کے اندر پیدا ہو جائے تو اس کی تباہ کاریوں اور اس کی لائی ہوئی آفتوں کا تصور آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام فرد، خاندان اور معاشرے کو عقیدے اور اعتماد کے اس بحران سے نجات دینے کے ساتھ، حکومت اور سیاست کو بھی اس سے نکالتا ہے۔ اس کے لیے وہ حکم ران اور عوام میں ہر ایک کے اندر مخصوص اوصاف کی آب یاری کرتا ہے جس کی وجہ سے دونوں کی راہ آسان ہوتی اور منزل تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی ہے۔

اسلام میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اس کے نزدیک حکم ران اور عوام کا

تعلق نفع و خیر خواہی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر زمانے میں اللہ کی طرف سے قوم کے جو پیغمبر مبعوث ہوتے رہے ہیں وہی اس کے حاکم اور مطاع اور آج کی اصطلاح میں امیر اور رہبر رہے ہیں۔ سورۃ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت شعیب علیہ السلام تک پوری انبیائی کہکشاں نے اپنی قوم کے سامنے اپنی یہی حیثیت پیش کی کہ وہ اس کے خیر خواہ اور اس کا دل سے بھلا چاہنے والے ہیں:

أَبْلَغُكُمْ رَسُولِي وَأَنْصَحُ لَكُمْ
تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں
اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔

وَقَالَ يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولِي
اور شعیب نے کہا اے میری قوم کے لوگو!
میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا
اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔

اس کی روشنی میں اگر امیر اور حاکم کا یہ منصب ہے کہ وہ اپنے زیر نگرانی عوام کا بھلا چاہنے والا ہو تو مامورین اور ماتحتوں کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس کا بیان سورۃ توبہ میں ہے۔ جہاں کم زوروں، مریضوں اور ناداروں کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ راہ خدا میں ہونے والی جنگ میں شریک نہ ہوں۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خیر خواہ اور وفادار رہنا ان کے لیے ہر حال میں ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ مملوکوں میں ہو سکتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى
کم زوروں، بیماروں اور نہ ان لوگوں
الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ
پر جن کے پاس (جنگ میں) خرچ
لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ إِذَا
کرنے کے لیے پیسہ نہیں ہے، ان کے
نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى
لِي حَرْجٌ نَهَيْتُمْ عَنْ جِهَادٍ فِي
لِلْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلِ وَاللَّهُ
شریک نہ ہوں) بشرطے کہ وہ اللہ اور
غَفُورٌ رَحِيمٌ (توبہ: ۹۱)
اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں، ایسے
خوب کاروں کا مواخذہ نہیں ہے اور
اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

امیر و مامور کے اس باہمی اعتماد کا تذکرہ قرآن میں دیگر مقامات پر بھی ہے۔
سورہ آل عمران میں آپ ﷺ کے منصب نبوت کے حوالہ سے اس کی تردید ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجے میں اپنے عوام کے لیے آپ کے اندر کسی قسم کا کھوٹ اور بدخواہی کا شائبہ ہو سکتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلُّ وَمَنْ يَغُلُّ
يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى
كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ. (آیت: ۱۶۱)

کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ
(اپنے پیروکاروں کے تئیں) کھوٹ کو روا
رکھے۔ اور جو کوئی کھوٹ کی راہ اپنائے گا
وہ قیامت کے دن اپنے کھوٹ کے
ساتھ حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کے
کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان
کے ساتھ کوئی کوتاہی نہیں کی جائے گی۔

اس آیت سے پہلے اپنے پیروکاروں کے لیے آپ کی غیر معمولی مہر و محبت،
نرم خوئی اور عفو و درگزر اور استغفار و مشاورت کا تذکرہ ہے جس سے بڑھ کر باہمی اعتماد
اور اپنائیت کا دوسرا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے:

فِيمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لَنْتَ لَهُمْ
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ
عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ
فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران: ۱۵۹)

تو (اے پیغمبر) آپ محض اللہ کے احسان
کے باعث اپنے پیروکاروں کے لیے نرم خو
ہیں، اس کے بجائے اگر آپ درشت خو اور
سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے
چھٹ جاتے تو آپ ان کے ساتھ عفو و درگزر
کا معاملہ کیجیے (اللہ سے) ان کی معافی طلب
کرتے رہیے، معاملات میں ان سے مشورہ
کیجیے۔ پھر جب آپ رائے بنا لیجیے تو اللہ پر
بھروسہ کیجیے (اور آگے بڑھیے)۔ بلاشبہ اللہ
بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

آپ کی اسی صفت کا بیان دوسرے مقام پر اس طرح ہے:

تمہارے پاس تمہارے درمیان سے وہ رسول آ گیا ہے جس کے لیے تمہارا نقصان میں پڑنا سخت بھاری ہے اور وہ تمہیں ہر طرح سے فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ دراصل وہ مسلمانوں کے لیے شفقت و رحمت کا پتلا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ: ۱۲۸)۔

سورہ احزاب میں آپ کے سلسلے میں اس سے بھی آگے کی بات کہی گئی ہے اور وہ یہ کہ اہل ایمان اور آپ کے تابعین کی بھلائی اور بہتری کا آپ کو اتنا لحاظ اور اس کے لیے اتنی فکر مندی ہے جتنی کہ اس کے افراد کی خود اپنے لیے نہیں ہو سکتی ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (آیت: ۶)

نبی کو مسلمانوں کی اس سے زیادہ فکر ہے جتنی کہ ان کو اپنی ہو سکتی ہے اور اس کی بیویاں ان کی ماؤں کے درجے میں ہیں۔

ذخیرہ حدیث میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ آپ نے اپنے اس مرتبہ و مقام کو عملاً ثابت کر دکھایا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن جابرؓ کی روایت ہے کہ اپنے اصحاب میں سے کسی کے متعلق آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ انھوں نے اپنی موت کے بعد اپنے غلام کو آزاد کر دیا ہے، جب کہ ان کے پاس اس کے علاوہ دوسرا اور کوئی مال نہیں ہے۔ آپ نے اپنے کمال شفقت سے ان کے اس فیصلے کو بدلواتے ہوئے اس غلام کو آٹھ سو درہم میں فروخت کر دیا اور اس رقم کو ان تک پہنچو ادیا۔ اس سلسلے کا دوسرا واقعہ بھی صحیح بخاری ہی میں ہے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن سہلؓ کے قتل کے واقعہ میں ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بھائی حویصہؓ، محیصہؓ اور عبدالرحمن بن سہلؓ خیبر کے یہود سے دیت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی طرف سے ان حضرات کو سواونٹینوں کی دیت ادا فرمادی۔

نبی ﷺ کی احادیث میں اس مضمون کی مزید وضاحت ہے۔ جہاں حکم رانوں اور عوام کو ایک دوسرے کا ہم درد و ہمی خواہ ہونے کی تاکید ہے۔ حکم رانوں کے سلسلے میں

نبی ﷺ کی مشہور حدیث ہے۔ صحابی رسول حضرت معقل بن یسار نے حضرت عبید اللہ بن زیاد کو یہ حدیث اس وقت سنائی جب کہ وہ ان کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے گئے تھے۔

مامن عبد یستر عیہ اللہ رعیۃ
فلم یحطہا بنصحہ لم
یجد راحۃ الجنۃ ۵

اللہ تعالیٰ جس بندے کو کچھ لوگوں پر حکم
راں بنائے اور وہ ہر طرح سے ان کی
بھلائی کے لیے مستعد نہ ہو تو اس کو
جنت کی خوشبو نصیب نہ ہوگی۔

اسی موقع پر یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ بھی ہے جس سے اس کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

مامن وال یلسی رعیۃ من
المسلمین فیموت وهو غاش
لہم الاحرام اللہ علیہ الجنۃ ۶

مسلمان عوام کا جو حکم راں ہو اور اس کو
اس حال میں موت آئے کہ وہ ان کے
ساتھ کھوٹ کرنے والا (اور ان کا
بدخواہ) ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جنت
کو حرام قرار دیدیں گے۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث ان لفظوں میں ہے جس سے اس کا مطلب مزید نکھر تا
اور واضح ہوتا ہے:

مامن امیریلی أمر المسلمین ثم
لا یجہد لہم ویصح الالم یدخل
معہم الجنۃ ۷

مسلمانوں کے معاملات کا جو ذمہ دار ہو
اس کے باوجود وہ ان کے لیے محنت نہ
کرے اور ان کا خیر خواہ نہ ہو تو اس کو ان
کے ساتھ جنت کا داخلہ نصیب نہیں ہوگا۔

یہ تاکید امراء کے لیے ہے۔ مامورین کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ ان کو بھی اپنے امیر و خلیفہ کا پوری طرح وفادار رہنا چاہیے اور اس کی اطاعت و پیروی کو دنیوی مفاد کے تابع نہیں بنانا چاہیے کہ مفاد پورا ہو تو وہ اس کی بات مانیں اور مقصد حاصل نہ ہو تو اس کی بے وفائی میں ان کو کوئی تردد نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس

روئے کے خلاف سخت وعید سنائی ہے۔ قیامت کے دن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی اور اس کی توجہ سے محروم ہوگا، جس سے بڑھ کر کسی دوسری بد نصیبی اور محرومی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

ثلاث لا یکلّمہم اللہ یوم القیامۃ
ولا یزکیہم ولہم عذاب
الیم..... ورجل باع اماماً لا
یباعہ الا لدنیاء، ان اعطاه ما یرید
وفی لہ، واولم یف لہ ۱

تین طرح کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات کرے گا، نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا..... انہی میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی امام سے صرف اپنی دنیوی غرض کے لیے بیعت کرے، کہ اس سے اگر اس کو اپنی من پسند چیز مل جائے تب تو اس کا وفادار ہو، ورنہ اس کا وفادار باقی نہیں رہے۔

اسلام کی تعلیمات میں اسی کا دوسرا نام نصیحت اور خیر خواہی ہے، جس کے سلسلے میں مسلمانوں کو عام طور پر ایک دوسرے کا ہم درد وہی خواہ ہونے کے ساتھ خاص طور پر اپنے ائمہ اور امراء کے ساتھ بے لوث اور بے غرض رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کی غیر معمولی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اسے نفس دین سے تعبیر فرمایا ہے:

عن تمیم الداری ان النبی ﷺ
قال الدین النصیحة قلنا لمن
قال للہ وللکتابہ وللرسولہ
ولائمة المسلمین وعاتمہم ۲

حضرت تمیم دارمیؒ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: دین نصیح و خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا کس کے لیے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے حکم رانوں اور ان کے عوام کے لیے۔

اس حدیث میں 'نصیحت' کا جو لفظ ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ نصیح

الرجل ثوبہ' (آدمی نے اپنے کپڑے کی رفوگری کی) سے 'رفوگری' کے معنی میں ہے۔ جس طرح آدمی اپنے کپڑے کی رفوگری کر کے اس کی اصلاح کرتا اور اس کے نقص کو دور کرتا ہے، یہی کام نصیحت گرا اپنے نصیحت کردہ کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسری توجیہ میں اسے 'نصحت العسل' سے ماخوذ بتایا گیا ہے۔ آدمی جب شہد سے موم کو الگ کرتا ہے تو اس کے اس عمل کو 'نصیحت' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خالص شہد کے مانند اپنے نصیحت کردہ کی نسبت سے کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک بات کہے۔ ۱۰ آگے حدیث میں اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے سلسلے میں نصیحت کا مطلب ہے کہ آدمی کا اللہ پر سچا ایمان ہو، پورے خلوص کے ساتھ اس کی کتاب کے ہمہ جہتی تقاضوں کو پورا کرے، اس کے رسول سے اسے دلی محبت ہو اور وہ دل و جان سے ان کی اطاعت اور پیروی کا حق ادا کرے۔ اس کے بعد ائمہ مسلمین اور ان کے عوام کے ساتھ نصیحت کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس کے سلسلے میں آج سے چھ سات سو سال قبل کے زمانے کے پس منظر میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس سے آج کے دور میں اس کی وسعت و جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ ۶۷۶ھ کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں:

جہاں تک ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت و خیر خواہی کا سوال ہے تو اس کا مطلب ہے حق کے معاملے میں ان کی مدد کرنا، اس کے سلسلے میں ان کی بات ماننا، ان کو اس کا حکم دینا اور نرمی اور ملاحظت سے ان کو اس پر متنبہ کرنا اور اس کی یاد دہانی کرنا اور ان کی کوتاہیوں پر ان کو باخبر کرنا اور مسلمانوں کے جو حقوق وہ ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں ان سے ان کو آگاہ کرنا، ان کے خلاف بغاوت سے باز رہنا اور لوگوں کو آمادہ کرنا کہ وہ دل سے ان کی اطاعت اور پیروی کا حق ادا کریں۔

وأما النصيحة لائمة المسلمين
فمعاونتهم على الحق وطاعتهم
فيه وأمرهم به وتنبههم
وتذكيرهم برفق ولطف
وإعلامهم بما غفلوا عنه ولم
يبلغهم من حقوق المسلمين
وترك الخروج عليهم وتالف
قلوب الناس لطاعتهم. ۱۱

آگے اسی سلسلے میں شارح سنن ابوداؤد صاحب معالم السنن امام خطابی

(م ۳۸۸ھ) کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

امام خطابی کہتے ہیں کہ مسلمان حکم رانوں کے ساتھ صبح و خیر خواہی میں یہ سب شامل ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے، ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے، ان کو زکوٰۃ ادا کی جائے اور ان کی طرف سے ظلم و زیادتی اور بدسلوکی کا مظاہرہ ہو تو بھی ان کے خلاف مسلح بغاوت سے گریز کیا جائے، اسی طرح ان کی جھوٹی تعریف سے ان کو دھوکے میں مبتلا نہ کیا جائے اور ان کو بھلائی اور بہتری کی راہ دکھائی جاتی رہے۔

قال الخطابی رحمه الله ومن النصيحة لهم الصلاة خلفهم والجهاد معهم وأداء الصدقات اليهم وترك الخروج بالسيف عليهم اذا ظهر منهم حيف أو سوء عشرة وان لا يعزوا بالثناء الكاذب عليهم وأن يدعى لهم بالصلاح. ۱۲

اسی طرح عامۃ المسلمین کی نصیحت کی تشریح میں امام نووی کا کہنا ہے:

جہاں تک حکم رانوں کے علاوہ عام مسلمانوں کے ساتھ صبح و خیر خواہی کا سوال ہے تو اس میں یہ سبھی باتیں شامل ہیں۔ ان کی دنیا و آخرت کی مصلحتوں کی طرف ان کو متوجہ کرنا اور ان کو کسی طرح کی تکلیف پہنچانے سے باز رہنا، چنانچہ آدمی کو چاہیے کہ دین کی جو بات وہ نہ جانتے ہوں وہ ان کو بتائے اور دین پر عمل کرنے کے لیے ان کو زبان اور عمل دونوں سے مدد پہنچائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے، ان کی کمیوں کو دور کرے، ان کو نقصان سے بچائے اور انھیں فائدہ پہنچائے، ان کو بھلائی کا حکم دے اور نری

وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عداو لالة الأمر فارشادهم لمصالحهم في آخرتهم وديناهم وكف الأذى عنهم فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ويعينهم عليه بالقول والفعل وستر عوراتهم وسد خلاصتهم ودفع المضار عنهم وجلب المنافع لهم وامرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم وتوقير كبيرهم ورحمة صغير

هم وتحوّلهم بالموعظة
الحسنة وترك غشهم
وحسدهم وان يحب لهم
ما يحب لنفسه من الخير ويكره
لهم ما يكره لنفسه من المکره
والذب عن أموالهم وأعراضهم
وغير ذلك من أحوالهم
بالقول والفعل وحثهم على
التخلق بجميع ما ذكرناه من
أنواع النصيحة وتنشيط
همهم الى الطاعات وقد كان
فى السلف رضى الله عنهم من
تبلغ بها النصيحة الى الاضرار
بدينها والله اعلم. ۳

اور خلوص کے ساتھ برائی سے روکے۔ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے، ان کے بڑوں کی عزت کرے اور ان کے چھوٹوں کے ساتھ شفقت رکھے، وقفہ وقفہ سے ان کو بھلی نصیحت کرے اور ان کے ساتھ کھوٹ اور حسد کا معاملہ کرنے سے باز رہے۔ اور جس بھلائی کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اسی کو ان کے لیے پسند کرے اور جس برائی کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے ان کے لیے بھی اس کو اسی طرح ناپسند کرے۔ اور ان کے مال اور ان کی عزت و آبرو کو بچانے کی کوشش کرے۔ اس طرح ان کے دیگر احوال میں زبان اور عمل سے ان کا مددگار بنے۔ اسی طرح وہ ان کو آمادہ کرے کہ بھلائی اور خیر خواہی کی ان تمام باتوں کو وہ اپنائیں اور طاعت و بندگی کے لیے ہر وقت اپنے کو کمر بستہ رکھیں۔ سلف صالح میں ایسے لوگ تھے جو اس نصیحت اور خیر خواہی کی وجہ سے بسا اوقات اپنی دنیا کا نقصان کر لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

امیر و مامور کی ایک دوسرے کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کے سلسلے میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے ایک خطبہ میں ان دونوں باتوں کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمیٹا گیا ہے۔ رعایا کے ایک حصے کی طرف سے اپنے حکام اور امراء کے سلسلے میں ان تک شکایت پہنچی کہ وہ صحیح ڈھنگ سے کام نہیں کر رہے اور اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک طریقے ادا نہیں کر رہے ہیں، اس پر آپؓ نے عمال کو طلب کیا اور اللہ

تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یہ بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حکمِ راس اور عوام دونوں کے لیے ان کے حقوق و فرائض کی جامع نشان دہی کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اے لوگو! اور اے عوام! ہمارا تمہارے اوپر ایک ضروری حق ہے، اور وہ یہ کہ تم پیٹھ پیچھے ہماری خیر خواہی کرو گے اور بھلائی کے کاموں میں ہماری مدد کرو گے۔ اسی طرح اے حکمِ راس! عوام کا بھی تمہارے اوپر ضروری حق ہے۔ جان لو کہ کسی حکمِ راس کی بردباری اور اس کی نرمی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو اللہ کو محبوب اور عزیز ہو، اسی طرح کسی حکمِ راس کی نادانی اور اس کے پھو بڑپن سے بڑھ کر کوئی نادانی نہیں جو اللہ کو مبغوض اور رنجیدہ کرنے والی ہو۔ اور جان رکھو کہ جو شخص اپنے سامنے کے لوگوں کے ساتھ اسن و عافیت کا معاملہ رکھتا ہے تو اپنے پیٹھ پیچھے لوگوں سے اس کو ایسی ہی عافیت اور اسن نصیب ہوتا ہے۔

ایہا الناس ایہا الرعیۃ ان لنا علیکم حق النصیحة بالغیب والمعاونۃ علی الخیر ایہا الرعاۃ ان للرعیۃ علیکم حقاً فاعلموا انه لاشئ أحب الی اللہ ولا أعز من حلم إمام ورفقہ ولیس جہل أبغض الی اللہ ولا أغم من جہل إمام وخرقہ واعلموا انه من یاخذ بالعافیۃ فیمن بین ظہریہ یرزق العافیۃ ممن ہودونہ ۱۲

اس کے آئینے میں امیر و مامور کے غیر معمولی اعتماد و تعاون اور ان کے مخلصانہ تعلقات کی پاکیزگی اور شفافیت کی جو تصویر ابھرتی ہے آج کی بے خدا سیاست میں اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ لیکن معاصر دنیا کی سیاست کی اصلاح میں یہ اسلام کے کردار کی ابتداء ہے۔ اس سے آگے وہ نیچے سے اوپر اور جڑ سے لے کر چوٹی تک ایک ایک کر کے اس کی کمیوں اور خامیوں کو دور کرتا اور اس کو غیر معمولی رفعتوں اور بلندیوں سے ہم کنار کرتا ہے۔

امانت کا تصور:

امیر و مامور کے اس اخلاص و اعتماد کے ساتھ دنیا کی سیاست کی کامیابی اس حقیقت سے وابستہ ہے کہ اس میں امانت کا تصور پیدا ہو جائے۔ حکم راء اور عوام ہر ایک کے دل و دماغ میں یہ بات اچھی طرح سے بیٹھ جائے کہ سیاست اور اقتدار ایک امانت ہے۔ نظام ملکی کو چلانے کے لیے نیچے سے لے کر اوپر تک اور چھوٹے سے چھوٹے منصب سے لے کر بڑے سے بڑے عہدے تک اگر اپنے حاکم اور سربراہ کو منتخب کرنے کا آدمی کو اختیار حاصل ہے، تو یہ اختیار بھی امانت ہے اور اس امانت کو اس کے مستحق تک پہنچانے کا مطلب ہے کہ کسی بھی عہدے اور منصب کے لیے اسی شخص کا انتخاب کیا جائے جو ہر طرح سے اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کے اندر متعلقہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہو۔ میونسپلٹی اور کارپوریشن سے لے کر اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبری اور وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ تک ہر جگہ اسی 'امانت' کے تصور کو جاری و ساری ہونا چاہیے اور اس کے سلسلے میں ذاتی، گروہی، نسلی اور لسانی ہر طرح کی عصبيت اور جانب داری سے اوپر اٹھ کر خالص اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر امیر اور حاکم کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ اس کے بعد ہی دنیا میں عدل و انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ ہو سکے گا جس کے بغیر عمدہ سیاست اور اچھی حکمرانی کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس پس منظر میں سورہ نساء کی آیت کریمہ کی تلاوت کیجیے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا
الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ
إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (النساء: ۵۸)

بلاشبہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو
ان کے مستحقین تک پہنچاؤ اور جب تم
لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف
کے ساتھ فیصلہ کرو، بلاشبہ یہ بہترین
نصیحت ہے جو اللہ تم کو کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ
بڑا سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ کی کنجی کی حوالگی کے حوالہ سے تفسیروں میں اس آیت کریمہ کا ایک خاص پس منظر بیان کیا گیا ہے، لیکن ہر جگہ اس کی صراحت ہے کہ یہ آیت اس واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ دین و دنیا کی امانتوں کے لیے عام ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ کے یہاں اس کی تفسیر کی ابتداء ہی اس سے ہے:

أمر المؤمنین فی هذه الآیة بأداء	اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں
الأمانات فسی جميع الأمور	مسلمانوں کو تمام معاملات میں امانتوں
سواء كانت تلك الأمور من	کو (ان کے مستحقین تک) پہنچانے کا
باب المذاهب والدیانات أو من	حکم دیا ہے، خواہ یہ معاملات مذہب اور
باب الدنیا والمعاملات ۱۵	اخلاق سے متعلق ہوں یا دنیا اور
	معاملات سے۔

فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ کی چابی کے حوالگی کے واقعہ کی تفصیل کے بعد 'امانت' کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے امام رازیؒ دوبارہ اس کی وسعت اور عموم کا تذکرہ کرتے ہیں:

اعلم أن نزول هذه الآیة عند	جاننا چاہیے کہ اس واقعہ کے موقع پر اس
هذه القصة لا یوجب كونها	آیت کریمہ کے نزول کا یہ مطلب نہیں
مخصوصة بهذه القضية بل	ہے کہ یہ اسی معاملے کے ساتھ خاص
یدخل فیہ جميع أنواع	ہے، بلکہ اس کے اندر دوسری تمام طرح
الأمانات ۱۶	کی امانتیں اسی طرح شامل ہیں۔

امام رازی سے پہلے صاحب کشف کے یہاں بھی عموم کا بیان ان الفاظ

میں ہے:

الخطاب عام لكل أحد فی كل	یہ خطاب ہر شخص کے لیے اور ہر طرح کی
أمانة ۱۷	امانت کے معاملے کے لیے عام ہے۔

دیگر مفسرین کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اپنے بندوں پر جو حقوق ہیں ان سے متعلق لوگوں پر جو تمام طرح کی امانتیں واجب ہوتی ہیں وہ اس کے اندر شامل ہیں..... اسی طرح بندوں کے ایک دوسرے پر جو حقوق ہو سکتے ہیں وہ بھی اسی طرح اس کے دائرے میں آتے ہیں۔

وهو يعمم جميع الأمانات
الواجبة على الناس من حقوق
الله عزو جل على عباده.....
ومن حقوق العباد بعضهم على
بعض..... ۱۸

مفسر ابو العالیہؒ کی اس تفسیر میں بھی اس کا یہی عموم برقرار ہے:

امانت کا مطلب ہے ہر وہ بات جس کا لوگوں کو حکم دیا گیا ہے یا جس سے ان کو منع کیا گیا ہے۔

الأمانة ما أمر وابه ونهوا
عنه ۱۹

حضرت ربیع بن انسؒ کا بھی اس کے سلسلے میں یہی کہنا ہے:

تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو کسی طرح کی امانت ہو سکتی ہے وہ سب اس میں شامل ہے۔

هسى من الأمانات فيما بينك و
بين الناس ۲۰

حافظ ابن کثیرؒ اوپر کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد پھر

فرماتے ہیں:

یہ بات بہت مشہور ہے کہ یہ آیت کریمہ اس خاص واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئی، تو چاہے وہ اس سلسلے میں نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن اس کا حکم عام ہے۔

وهذا من المشهورات أن هذه
الآية نزلت في ذلك وسواء
كانت نزلت في ذلك أولا
فحكمتها عام. ۲۱

یہاں تک کہ متاخرین میں صاحب جلالین بھی آیت کے مخصوص شان نزول کو

پورے اہتمام سے نقل کرنے کے بعد اس صراحت کو ضروری خیال کرتے ہیں:

آیت کریمہ کا نزول چاہے کسی خاص سبب کے تحت ہوا ہو لیکن اس کے حکم کے عام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس میں صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے۔

والآیة وإن وردت علی سبب
خاص فعمومها معتبر لقرینة
الجمع ۲۲

بلاشبہ اس 'امانت' میں سرفہرست روپے پیسے اور مال کی نوعیت کی چیزوں کی ادائیگی ہے۔ جس کسی کے پاس ایسی کوئی امانت ہو وہ حسب وعدہ متعلق شخص کو مقرر شرطوں کے مطابق بے کم و کاست اس کے حوالہ کرے، جیسا کہ تفسیر میں اسی اہتمام سے اس کا تذکرہ ہے۔ ۲۳ اسی طرح خدا اور بندوں کے حوالہ سے اس امانت کی تفصیلات میں بھی کافی وسعت ہے جس پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ ۲۴ اس کی روشنی میں حکم رانوں کے انتخاب میں امانت و دیانت کی ہماری اوپر کی تشریح کی پوری گنجائش نکلتی ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ کے اگلے نکلڑے، جس میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق امراء اور حکام سے ہے کہ نزاعات کے فیصلے میں ان کا قدم جادۃً انصاف سے نہ ہٹے۔ ۲۵ لیکن آیت کے عموم سے اس کی پوری گنجائش نکلتی ہے کہ ان دونوں احکام "اداء امانت اور انصاف کے ساتھ فیصلہ" کو حکم ران اور عوام دونوں کے لیے یکساں طور پر عام رکھا جائے۔ عوام اپنے حکم رانوں کا کامل امانت داری کے ساتھ انتخاب کریں اور اس کا فیصلہ کرنے میں ذرہ برابر بے انصافی اور جانب داری میں مبتلا نہ ہوں۔ اسی طرح حکم ران اس طرح منتخب ہو جانے کے بعد اپنے عوام کے سلسلے میں ان کی ہمہ جہتی امانتوں کی ادائیگی میں چوکس ہوں۔ خزانے اور اقتدار کی جو امانت ان کے پاس ہے اپنے عوام کے لیے اس کی تقسیم اور ادائیگی میں معمولی سے معمولی درجے میں خیانت اور بے انصافی کا ارتکاب نہ ہونے دیں۔ سیاست میں اس طرح جب امانت کی روح جاری و ساری ہو جائے گی تو عوام کے لیے اپنے حکم رانوں کی بے لوث اطاعت میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ اور شریعت کے قراردادہ دین و دنیا کے دو گونہ مقاصد کی تکمیل کے لیے بلاشبہ ان کی پیروی بالواسطہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کے مترادف ہوگی۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوا:

اے مسلمانو! اللہ کی بات مانو اور رسول کی بات مانو، اسی طرح اپنے میں سے اصحاب امر کی۔ پھر اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پلٹاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور انجام کار کے لحاظ سے خوب سے خوب تر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ
فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ
كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا
(النساء: ۵۹)

یہ آیت کریمہ معاصر دنیا کی سیکولر سیاست کے لیے نشانِ عبرت ہے جس میں سب سے پہلے سیاست کو اطاعتِ الہی کا کلمہ پڑھایا گیا ہے۔ اسلام میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اور ایک سچا مسلمان اپنی زندگی کے ہر معاملے کی طرح سیاست میں امر رب کا پابند ہوتا ہے۔ اسی کے لٹن سے رسول کی اطاعت جنم لیتی ہے۔ اور انسان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں ان دونوں کے منشا و مراد کی تکمیل و وقت کے امیر اور خلیفہ کے ذریعہ ہوتی ہے جس کا درجہ بدرجہ ہر زمانے کے لحاظ سے نیچے سے اوپر تک الگ الگ نظام ہوتا ہے۔ خلیفہ وقت اور امیر زمانہ کی توثیق سے اس پورے نظام کی پیروی خلیفہ اور امیر کی پیروی کے مترادف ہوتی ہے۔ اگلے فقرے میں اسی سے متعلق ایک عملی دشواری کا حل تجویز ہوا ہے جو اسلام کی سیاست عادلہ کو رفعت و بلندی کے اس مقام پر لے جاتا ہے جس کا آج کے دور کی ترقی یافتہ جمہوریتیں بھی خواب دیکھنے سے قاصر ہیں، اور وہ یہ کہ حکومت اور سیاست کے اس نظام میں نیچے سے اوپر تک جس مرحلے میں بھی حکمِ راہ اور عوام، یا عوام اور عوام میں سے جن کے درمیان کوئی اختلاف اور نزاع ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لیے براہِ راست اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے، اور رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کی سنت اور طریقے کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ تفسیر میں ہر جگہ اس موقع پر اس کی صراحت ہے۔ ۲۶۔ اس موقع پر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ امیر و مامور کے اختلاف اور نزاع کی صورت میں حکم

صرف قرآن و سنت کو تسلیم کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ایسی ہر صورت میں معاملہ غیر جانب دار عدلیہ کی طرف منتقل ہوگا جس پر خلیفہ وقت اور امیر زمانہ کا کوئی دباؤ نہ ہو اور فریادی کو بے لاگ انصاف کی ضمانت حاصل ہو سکے، جیسا کہ اسلام کی صدر اول کی تاریخ اس کی روشن مثالوں سے معمور ہے۔ بے لاگ انصاف کی اسی صورت میں سیاست میں 'امانت' کے اسلامی تصور کی تکمیل ہوتی ہے اور بلاشبہ اس تفصیل کے ساتھ امیر کی اطاعت بالواسطہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مترادف ہو جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ، ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی. ۲۸

جس نے میری بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی بات مانی اس نے میری بات مانی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اسی موقع پر اسلام میں امیر و مامور کے پاکیزہ ترین رشتے کو نمایاں کرنے والی آپ کی دوسری حدیث بھی ہے جس سے آخری محمدی شریعت میں سیاست میں امانت کے تصور کی مزید تشریح ہوتی ہے:

ألا کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ فالإمام الذی علی الناس راعٍ وهو مسئول عن رعیتہ، والرجل راعٍ علی اهل بیتہ وهو مسئول عن رعیتہ، والمرأة راعیة علی اهل بیت زوجها وولده. وہی مسئولة عنہم، وعبء الرجل راعٍ علی

سن لو، تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اپنے ماتحت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ تو جو لوگوں کا حکم راں ہے وہ بھی ان کا نگران ہے اور اپنے ماتحت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ اسی طرح مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اپنے ماتحتوں کے سلسلے میں جواب دہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور ان کی پابت جواب دہ ہے۔ اسی طرح آدمی کا غلام اپنے آقا

مال سیدہ وهو مسئول عنه، ألا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ . ۲۹

کے مال کا نگران ہے اور اس کی بابت جواب دہ ہے۔ تو سن لو تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت کے سلسلے میں جواب دہ ہے۔

سیاست میں امانت اور نگرانی کا یہی تصور تھا جس نے خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ کی رات کی نیندیں اڑا دی تھیں اور ریاست کے سرکاری خزانہ کے سلسلے میں ان کو غیر معمولی طور پر حساس بنا دیا تھا جس کا ایک ایک واقعہ آج کی بے خدا اور کرپٹ سیاست کے لیے تازیانہ عبرت کا کام دے سکتا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ کی سیرۃ عمرؓ میں خلیفہ دومؓ کی بیوی حضرت عاتکہؓ کے حوالہ سے آپؓ کا مشہور واقعہ ہے۔ آپؓ کے زمانہ خلافت میں سرکاری خزانے میں بحرین سے بڑی تعداد میں مشک وغیرہ آیا۔ حضرت عمرؓ کی خواہش ہوئی کہ اسے کسی اچھا وزن کرنے والی خاتون سے وزن کرا کے مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ شاید یہ خواہش بھی اسی احتیاط کے پیش نظر ہو کہ ایسی نازک چیز کے لیے نازک ہاتھ کا وزن ہی مناسب ہوگا۔ ان کی بیوی عاتکہؓ کی طرف سے اس وضاحت کے باوجود کہ وہ بہت اچھا وزن کرتی ہیں، خلیفہ دوم نے ان سے یہ خدمت لینے سے انکار کر دیا۔ عذر یہ تھا کہ وزن کے دوران انگلی میں لگ جانے والے مشک وغیرہ کو کہیں وہ اپنی کان کی لو اور گردن میں مل لیں اور اس طرح خلیفہ وقت کے حصہ میں اس مال میں سے عام مسلمانوں سے کچھ زیادہ پہنچ جائے۔ ۳۰ دوسرے موقع پر ہے کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ مالیات کے سلسلے میں غیر معمولی احتیاط برتتے تھے تو اس کے لیے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد کا حوالہ دیتے تھے:

من مات غاشاً لرعیتہ لم یروح
رائحة الجنة ۳۱

جو شخص اپنی رعایا کے ساتھ کھوٹ کرتے ہوئے مرے گا، اسے جنت کی ہوا نصیب نہ ہوگی۔

لیکن یہ چیز جتنی محبوب اور پسندیدہ ہے اس کے تقاضے اتنے ہی مشکل ہیں۔

اپنے محبوب صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس کی طرف توجہ دلا دی تھی:

یا أباذر إن الإمارة أمانة وهي
يوم القيامة خزي وندامة إلا من
أخذها بحقها ثم أذى الذی
عليه فيها وأنى له ذلك یا
أباذر. ۳۲

اے ابو ذر! حکومت کی ذمہ داری امانت
ہے اور قیامت کے دن یہ رسوائی اور
شرمندگی کا باعث ہوگی۔ اس سے صرف
وہ شخص محفوظ ہوگا جو اس کو اس کے حق
کے ساتھ لے اور اس میں رہتے ہوئے
اس کا حق ادا کرے۔ اور اے ابو ذر! ایسا
کر پانا کیا آسان ہے؟

سیاست میں اس امانت کے بجائے جب خیانت کا دور دورہ ہو جائے، جیسا
کہ ہمارے زمانہ کا یہ وبائی مرض ہے تو یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ آپ کی دوسری حدیث
کے مطابق جب معاملات دنیا نا اہلوں اور خیانت کاروں کے حوالہ ہو جائیں تو یہ قرب
قیامت کی علامات میں سے ہے:

إذا ضيعت الأمانة فانتظر
الساعة

جب امانت ضائع کی جانے لگے تو
قیامت کا انتظار کرو۔

اس پر سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ یہ امانت کس طرح ضائع کی جائے
گی؟ اس کی تشریح میں آپ نے ارشاد فرمایا:

إذا أسند الأمر إلى غير أهله
فانتظر الساعة. ۳۳

جب اقتدار نا اہلوں کے سپرد ہو جائے تو
قیامت کا انتظار کرو۔

اتباع ہوئی سے گریز:

اسی طرح اسلام سیاست کو خواہش نفس کے فتنے سے مامون و محفوظ رکھنے کا
سامان کرتا ہے۔ فلسفے اور نفسیات کی گہرائیوں میں نہ جاتے ہوئے انسان کے اندر ایک

قوت ہے جو اکثر و بیش تر اسے جادہ حق سے ہٹانے کا سبب بنتی ہے۔ ذہن اور دماغ سے آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے یا کرنے جا رہا ہے وہ غلط ہے اور اسے اس سے باز رہنا چاہیے، لیکن وہی قوت اور داعیہ اس کو بالکل بے بس بنا دیتا ہے اور وہ کچھ کرتا اور کر جاتا ہے جس کے ناحق اور نادرست ہونے میں اسے کوئی شبہ اور اشکال نہیں ہوتا ہے۔ انسان کی یہ قوت اور اس کا یہ داعیہ خواہشِ نفس ہے جس کے لیے قرآن 'ہوئی' کا لفظ استعمال کرتا ہے اور جسے اس کے لغت میں ایک مستقل اصطلاح کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام اپنے عام ماننے والوں اور پیروکاروں کے ساتھ خاص طور پر حکومت کے ذمہ داروں اور سربراہانِ اجتماعیت کو اس سب سے بڑے مرض سے بچنے رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ آخری نبی ﷺ سے قریب سولہ سو سال قبل کے خاندانہ بنی اسرائیل نے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالہ سے قرآن کا یہ پیغام قیامت تک کے لیے دنیا کے تمام حکمرانوں، حکومت کے سربراہوں، صدور و مملکت اور وزراء اعظم کے لیے عام ہے:

اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں نائب قرار دیا ہے تو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور آپ خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیجیے جس سے کہ آپ اللہ کے راستے سے بھٹک جائیں۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو یاد نہیں رکھ سکے۔

يٰۤاٰدٰوُدْ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاَحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (ص: ۲۶)

یہ آیت کریمہ اسلام کے نظام سیاست کی اصل و اساس ہے۔ اس کی ابتداء میں ہی اس کی صراحت ہے کہ انسان اس سرزمین میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں ہے۔

وہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے محدود اختیارات کا ہی مالک ہے۔ اور اسی دائرے میں اپنی آزادی کے استعمال سے وہ دنیا و آخرت میں کامیابیوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے، جسے دنیا میں حکومت و سیاست کا اول و آخر کہا جاسکتا ہے۔ اسی سے متصل خواہشِ نفس سے بچنے اور دُور رہنے کی تاکید اور اس سے متعلق یہ وعید ہے کہ اس کے دام میں گرفتار ہو کر آدمی اللہ کے راستے سے بھٹک جاتا اور بے راہ روی میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو حق کے ساتھ فیصلہ اور خواہشِ نفس سے گریز میں بڑا قربی تعلق ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خواہشِ نفس کے آتے ہی حق و انصاف رخصت ہو جاتا ہے۔ جس حکمِ راہ اور بادشاہ کی ذات اس کی خواہشِ نفس کی آماجگاہ بن جائے، وہ ذات کبھی بھی حق و راستی کی جلوہ گاہ نہیں بن سکتی۔ مزید خواہشِ نفس کی اس پیروی میں بڑی وسعت ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ ہر حال میں ذاتی اور انفرادی ہی ہو، بلکہ بہت سی صورتوں میں اس کا محرک گروہی، نسلی، قومی، لسانی، علاقائی اور بین الاقوامی ہو سکتا ہے۔ خواہشِ نفس کا یہ محرک جتنا طاقت ور اور وسیع الجہات ہوگا، اس کا لایا ہوا فساد اور اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی زیادتی اور بے انصافی کا دائرہ بھی اسی کے مطابق وسیع سے وسیع تر ہوگا۔ معاصر دنیا کی ملکی اور عالمی سیاست کے منظر نامے پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہی اس حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ آیتِ کریمہ کے آخری حصہ میں اسی حکم کا لحاظ نہ کرنے والوں کے لیے آخرت کے سخت عذاب کی دھمکی ہے۔ جسے اسلامی سیاست کا اول و آخرت کہا جاسکتا ہے۔ آج زندگی کے مختلف دائروں میں خرابی اور بگاڑ کے ساتھ سیاست کے میدان میں جو سب سے بڑا فساد اور بگاڑ ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ انسان آخرت کی جواب دہی کے احساس سے غاری ہو گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو جتنا ہی باختیار ہے اسی پیمانے پر وہ اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر رہا ہے۔ اور اپنے آخرت کے انجام کو تاریک سے تاریک تر کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہے:

اور ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کفر کے راستے پر گامزن ہیں تو ایسے کافروں کے لیے دوزخ کی تباہی ہے۔ کیا ہم وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے مانند کر دیں گے۔ یا یہ کہ ہم (اللہ سے) ڈر کر رہنے والوں کو نافرمانوں کے مانند بنادیں گے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص: ۲۷-۲۸)

حق و انصاف کے معاملے میں معاصر دنیا کی سیاست کی آخری اثران یہ ہے کہ اس کے سلسلے میں ملکی دساتیر اور کچھ عالمی کنونشنوں اور ریزولوشنوں کا حوالہ دے دیا جائے۔ آیتِ بالا کے حوالہ سے اسلام اس مسئلہ کو آسمان کی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ خواہشِ نفس کے دباؤ میں حق و انصاف کی پامالی روح کائنات کے منافی ہے۔ پیدا کرنے والے نے زمین و آسمان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، جس کے نتیجے میں یہاں جو جیسے چاہے رہے اور جو چاہے کرے۔ اس کے بجائے اس کائنات کا ایک با مقصد آغاز ہے۔ اسی طرح ایک خاص مقصد کے تحت اس کا انجام ہونا ہے۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہر شخص کی جو اچھی اور بری کارکردگی ہوگی تخلیق کائنات کی اس مقصدیت کے پیش نظر اس کو اس کے مختلف انجام سے دوچار ہونا ہوگا۔ اس کا برعکس خیال اہل کفر و شرک کی خام خیالی ہے اور بہت جلد ان کی اس خام خیالی کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ آگے اس سلسلے کی آخری نصیحت ہے کہ حکومت اور اقتدار کے نشے سے آزاد ہو کر لوگ کتاب اللہ کی قرار واقعی قدر دانی کریں۔ اس کے بیان کردہ حقائق پر لوگ تھوڑا سا بھی غور کر سکیں تو حقیقت حال ان کے سامنے آ جائے اور بے انصافی اور خواہشِ نفس دونوں کی آفات سے وہ اپنے کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے
بڑی برکت والی ہے۔ تاکہ لوگ اس کی
آیتوں پر غور کریں اور تاکہ سمجھ دار لوگ
(اس سے) یاد دہانی حاصل کریں۔

كُنْتُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكًا
لِيَذَّبَ رُؤُوسَ الَّذِينَ كَفَرُوا
أُولَئِكَ الْآلِفَابُ . (ص: ۲۹)

پیغمبر اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص سے اپنی خواہشِ نفس کے فتنہ سے مامون کر دیا
جاتا ہے۔ لیکن مروت میں وہ دوسرے کے کہنے میں آسکتا اور اس کی خواہشِ نفس کا اثر
لے سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کو صاف لفظوں میں سمجھا دیا گیا کہ
خواہشِ نفس کی بادِ سموم کا کوئی جھوٹکا آیا نہیں کہ عدل و انصاف کی فصلِ نازک کا مجلس
جانا یقینی ہے، ارشاد ہے:

تو اس لیے (اے نبی) آپ (لوگوں کو)
دعوت دیجیے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا جا رہا
ہے (اپنے راستہ پر) جسے رہیے اور مخالفوں
کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ اور کہہ
دیجیے کہ اللہ نے مجھ کو جو عظیم کتاب دی
ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھ کو حکم
دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف
کروں۔ اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی
رب ہے۔ ہمارے کام ہمارے کام آئیں
گے اور تمہارے کام تمہارے لیے ہوں
گے۔ اب ہم کو ایک دوسرے سے بحث
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا
أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ وَقُلْ
آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ
وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبُّنَا
وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاللَّهُ
الْمَصِيرُ . (شوری: ۱۵)

اس آیتِ کریمہ سے اتباعِ ہونی کے اس مرض کی بڑھی ہوئی تباہ کاری اور
ہلاکتِ خیزی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں آدمی وقتی طور پر زیادتی اور
بے انصافی کا ہی ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ یہ مرض شدت پکڑ جائے تو اس کی وجہ سے آدمی

قرآن اور پیغمبر کا انکار کر سکتا ہے اور توحید کے مقابلے میں کفر اور شرک کو ترجیح دے سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات مبارکہ میں ایسا ہو چکا ہے اور آج بھی پھیلی ہوئی دنیا میں اس کے بہت بڑے حصے پر اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ سورہ جاثیہ کی آیات ذیل میں اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے، جہاں حیات و کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ بہت سی صورتوں میں یہ خواہش نفس آدمی کے لیے خدا کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور صبح سے شام تک وہ اسی کی پرستش میں گرفتار رہتا ہے۔ شرک و کفر کا یہ وہ مرحلہ ہے جس کی سرحدیں صاف الحاد اور انکارِ خدا سے جاملتی ہیں، جس کے بعد انسان کی بصیرت اور بصارت دونوں پر ہمیشہ کے لیے گم راہی کا قفل چڑھ جاتا ہے اور ہدایت کی تمام راہیں اس کے لیے مسدود ہو جاتی ہیں:

تم کیا سمجھتے ہو کہ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود ٹھہرایا ہے اور اللہ نے جانتے ہوئے اس کی قسمت میں گم راہی لکھ دی ہے اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، تو اللہ کے بعد ایسے شخص کو کون راہ دکھا سکتا ہے، تو کیا تم یاد دہانی نہیں حاصل کرتے ہو اور کافروں کا کہنا ہے کہ یہ تو بس ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم ایسے ہی مرتے اور جیتے ہیں اور یہ زمانہ ہی ہے جو ہمارا کام تمام کرتا ہے، لیکن ان کو حقیقت کا کچھ پتہ نہیں ہے وہ تو بس اندھیرے میں ٹنکا چلا تے ہیں۔

أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ
وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ
عَلَيْهِ سَمْعَهُ وَقَلْبَهُ وَجَعَلَ عَلَيهِ
بَصِيرَهُ غَشْوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ
اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ وَقَالُوا مَا هِيَ
إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ
بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا
يَظُنُّونَ. (جاثیہ: ۲۳-۲۴)

لوگوں کی نظر میں یہ خواہش نفس معمولی چیز ہو سکتی ہے، لیکن اللہ کی کتاب کے نزدیک اس سے بڑھ کر انسان اور کائنات کے لیے ہلاکت اور تباہی کو دعوت دینے والی کوئی دوسری چیز نہیں۔ حق بے اثر ہو جائے اور زمین پر لوگوں کی خواہشات کی حکم رانی قائم ہو جائے تو زمین اور اہل زمین کو تباہی اور بربادی سے بچانے کا کوئی امکان باقی

نہیں رہتا، لیکن افسوس ہے کہ لوگ اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے:

وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ
لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ
وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ
فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ .
(مؤمنون: ۷۱)

یاد دہانی کا سامان لے کر آئے ہیں لیکن وہ
اپنی یاد دہانی سے منہ موڑتے ہیں۔

حدیث سے بھی خواہشِ نفس کے اس مرض کی یہی برائی سامنے آتی ہے جس
سے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام دائروں کی طرح ان کی حکومت و
سیاست کو بھی محفوظ رکھنا ضروری ہے:

وَأَمَّا الْمُهَلِّكَاتُ فَهِيَ مَتَبَعٌ
وَشَحَّ مَطَاعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ
بِنَفْسِهِ وَهُوَ أَشَدُّ هَنًا . ۳۴

رہیں ہلاک کرنے والی چیزیں تو وہ خواہشِ
نفس ہے جس کے پیچھے آدمی بھاگنے لگے
اور لالچ اور بخل ہے جس کا آدمی غلام
ہو جائے اور خود رانی و خود پسندی ہے جو ان
سب میں بڑھ کر ہلاکت خیز ہے۔

(باقی)

حواشی و مراجع

- ۱۔ مزید ملاحظہ ہو: انفال: ۶۳، حجر: ۸۸ اور شعراء: ۲۱۵
- ۲۔ صدر اول کے پس منظر میں غلاموں اور باندیوں کی مختلف قسموں میں ایسے غلام کو
”مدرَب“ کہا جاتا ہے جو اپنے آقا کے مرنے پر اس کی وصیت کے مطابق اپنے
آپ آزاد ہو جاتا ہے۔
- ۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب بیع الامام علی الناس اموالہم ورضایعہم۔

- ۴ صحیح بخاری، حوالہ سابق، باب کتاب الحاکم الیٰ عملہ، والقاضی الیٰ أمنانہ
- ۵ صحیح بخاری، کتاب لأحكام، باب من استرعى رعية فلم تصح، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل..... الخ
- ۶ صحیح بخاری، حوالہ سابق، صحیح مسلم، حوالہ مذکور
- ۷ صحیح مسلم، حوالہ بالا
- ۸ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب من بالغ رجلا لا يرايه الا للدين
- ۹ صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب بيان انه لا يدخل الجنة الا المؤمنون الخ۔ یہ ایک جامع حدیث ہے، اس کی تشریح کے لیے ملاحظہ کیجیے، مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب معروف و منکر، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبشرزئی دہلی،
- ۱۰ شرح نووی للصحیح مسلم ۱/۱۳۷، طبع جدید، دار الریان للتراث، القاہرہ، طبعہ اولیٰ ۱۳۰۷ھ، ۱۹۸۷ء
- ۱۱ نووی: ۱/۳۸، حوالہ بالا
- ۱۲ نووی، حوالہ سابق
- ۱۳ نووی: ۱/۳۹، حوالہ مذکور
- ۱۴ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین: ۳/۱۲۷، طبع قدیم، عامرہ شریفیہ، مصر ۱۳۲۶ھ، دہلہ شد کتاب ”معارف المعارف“ للسحر وردی
- ۱۵ مفاتیح الغیب: ۳/۲۲۶، عامرہ شریفیہ، مصر ۱۳۰۸ھ، طبعہ اولیٰ
- ۱۶ مفاتیح الغیب: ۳/۲۳۷
- ۱۷ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۳۵، طبع جدید، مصطفیٰ البابی الحلبي واولاده، مصر، طبعہ اخیرہ ۱۳۹۲ھ، ۱۹۷۲ء، تحقیق روایات: محمد صادق التھادی،
- ۱۸، ۱۹، ۲۰ تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۵، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۷ء۔
- ۲۱ تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۶
- ۲۲ تفسیر الجلالین/ ۱۱۱، طبع جدید، بیروت

- ۲۳ جلالین/۱۱۰، ۱۱۱۔ منافع الغیب: ۳/۲۳۶-۲۳۷
- ۲۴ تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۵
- ۲۵ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۳۵
- ۲۶ ایک حوالہ کے لیے تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۸ جہاں اس نکتے کو بہت کھول کر اور بہت وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔
- ۲۷ ایک نمونہ کے لیے یہودی کے ساتھ ایک جھگڑے میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قاضی شریح کی عدالت میں حاضری۔ حوالہ کے لیے ہماری کتاب: اسلام کا تصور مساوات کی متعلقہ بحث۔
- ۲۸ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: طیبوا اللہ واطیبوا الرسول واولی الامر منکم، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعت الامراء فی غیر محصیۃ و تحريمہا فی محصیۃ بخاری، حوالہ سابق، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلتہ الامام العادل و عقوبتہ الجائر..... الخ
- ۲۹ ابن جوزی: سیرۃ عمر بن الخطابؓ، الدار القومیۃ، مصر، ص ۱۱۱
- ۳۰ طبقات ابن سعد، دار مصادر بیروت، ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء، ۳/۲۹۹
- ۳۱ امام محمد ۱۸۹ھ: کتاب الآثار/۱۲۸، مطبع اسلامی لاہور، ۱۹۱۸ء، امام ابو یوسف (۱۸۲ھ)
- کتاب الآثار/۲۱۳، احیاء المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد الدکن الہند، طبعہ اولیٰ ۱۳۵۵ھ، تصحیح و تعلیق: ابوالوفاء۔ نیز ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب کریمۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ۔
- ۳۲ بیہقی فی شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الغضب و الکبر، فصل ثالث۔

